Volume 04, Issue 01,
January-March 2026
PP: 228-241
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

Article QR

منتخب بظاہر متعارض آیات کے تناظر میں مفسرین کی آراء کا تقابلی جائزہ

Comparative Study of the Opinions of Qurʾānic Exegetes Regarding Selected Apparently Contradictory Verses of the Qurʾān

Muhammad Sajjad[1], Dr. Ghulam Haider[2]

Article History

Received
02-03-2026

Accepted
29-03-2026

Published
31-03-2026

Abstract & Indexing

Abstract

Islam offers a comprehensive and universal code of life, and the Holy Qurʾān the final revealed scripture serves as an enduring source of guidance for humanity until the Day of Judgment. While certain Qurʾānic verses may appear to present contradictions at first glance, this study contends that the Qurʾān is entirely free from genuine inconsistency. Employing a descriptive and analytical methodology, the research examines selected instances of apparent contradiction through the lens of classical Islamic exegesis (tafsīr). Drawing upon the works of distinguished mufassirūn, including Qāḍī Thanāʾ Allāh Pānīpatī, ʿAllāmah al-Ālūsī, Mawlānā Ashraf ʿAlī Thānawī, Imām al-Ṭabarī, Imām al-Rāzī, Imām al-Suyūṭī, ʿAllāmah al-Zamakhsharī, Imām Ibn Kathīr, and Imām al-Qurṭubī, the study situates the discussion within established exegetical and juristic frameworks. Following a concise introduction to these scholars and their contributions to Qurʾānic interpretation, the paper analyzes three examples of ostensibly conflicting verses. By integrating the explanations of the commentators with relevant narrations of the Prophet Muḥammad ﷺ and principles of Islamic jurisprudence (uṣūl al-fiqh), the study demonstrates coherent reconciliations that preserve the integrity and unity of Qurʾānic revelation. The findings indicate that perceived contradictions often arise from superficial readings, linguistic ambiguity, or insufficient contextual understanding. In contrast, rigorous scholarly inquiry consistently affirms the thematic coherence, linguistic precision, and theological harmony of the Qurʾān. This research seeks to clarify common misconceptions, reinforce the Qurʾān's status as a unified and internally consistent source of divine guidance, and contribute to contemporary scholarship on Qurʾānic hermeneutics and interpretation.

Keywords:

Apparent Contradictions, Qur'anic Exegesis, Revelation, Qur'anic Interpretation.

[1] *PhD Scholar, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.*
msajjadiiu75@gmail.com ***Corresponding Author***
[2] *Associate Professor / Chairman, Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur.*
ghulam.haider@iub.eud.pk

All Rights Reserved © 2026 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تعارف:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے، جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی۔ اس کتابِ مقدس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مضامین ہمہ گیر اور جامع ہیں، جن میں عقائد، عبادات، اخلاقیات اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی رہنمائی موجود ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں گہرائی، بلاغت اور حکمت اس قدر وسیع ہے کہ اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے کے لیے اہلِ علم نے مختلف ادوار میں تفسیر و تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے دوران بعض آیات ایسی بھی سامنے آتی ہیں جن میں بظاہر تعارض یا اختلاف محسوس ہوتا ہے، جنہیں علومِ قرآن کی اصطلاح میں "آیاتِ متعارضہ" یا "ظاہری تعارض والی آیات" کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ تعارض حقیقی نہیں ہوتا بلکہ فہم کی سطح پر پیدا ہونے والا ایک ظاہری اشکال ہوتا ہے، جسے سیاق و سباق، اسبابِ نزول، لغوی تحقیق اور مجموعی قرآنی تعلیمات کو سامنے رکھ کر واضح کیا جاتا ہے۔

علمائے تفسیر نے ابتداء ہی سے اس مسئلے پر خصوصی توجہ دی ہے۔ مفسرینِ کرام جیسے قاضی ثناء اللہ پانی پتی، علامہ آلوسی، مولانا اشرف علی تھانوی، امام طبری، امام رازی، جلال الدین سیوطی، علامہ زمخشری، امام ابن کثیر، امام قرطبی رحمہم اللہ اور برصغیر کے مفسرین نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور واضح کیا ہے کہ قرآن مجید میں حقیقی تضاد ممکن نہیں، بلکہ مختلف آیات کا باہمی تعلق اور حکمت سمجھنے سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے۔ آیاتِ متعارضہ کے مسئلے نے علومِ قرآن میں ایک مستقل علمی بحث کو جنم دیا، جس میں مفسرین نے مختلف اصول و مناہج اختیار کیے، جیسے تطبیق بین الآیات، ناسخ و منسوخ کی تحقیق، سیاق و سباق کی وضاحت اور مختلف مواقعِ نزول کی توضیح۔ ان اصولوں کے ذریعے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید کی تمام آیات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور بظاہر تعارض دراصل انسانی فہم کی محدودیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں آیاتِ متعارضہ کے حوالے سے مختلف مفسرین کی آراء کا جائزہ پیش کیا جائے گا، جس میں کلاسیکی اور معاصر مفسرین کے مناہج اور ان کے دلائل کا مطالعہ کیا جائے گا تاکہ اس موضوع کی حقیقت اور اس کے حل کے اصول واضح ہو سکیں۔ اب ہم آیات متعارضہ کے متعلق مفسرین کی آراء کا جائزہ لیں گے جس سے واضح ہو جائے گا کہ ادلّہ شرعیہ کے درمیان تعارض حقیقی کا پایا جانا ممکن نہیں۔ قرآن کریم تعارض حقیقی سے منزہ ہے۔

آیات متعارضہ کے متعلق امام زرکشیؒ کی رائے:

"وكلام الله جلّ جلاله منزه عن الاختلاف كما فى قوله تعالىٰ:أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا"[1]ولكن قد يقع للمبتدى ما يوهم اختلافاوليس به فاحتيج لازالته كما صنف فى مختلف الحديث وبيان الجمع بينهما،و هذه الآية تدل علىٰ نفى التعارض الحقيقى بين الايات لانها من عند الله العليم الخبير"[2]

امام زرکشی فرماتے ہیں: قرآن کریم کی آیات بینات میں کوئی تناقض نہیں ہے، لیکن مبتدی کو ایسی چیز مل سکتی ہے جس سے اس کو اختلاف کا وہم پڑے۔ اس لئے اسے دور کرنا چاہیے جیسا کہ مختلف احادیث میں بیان ہوا ہے اور ان کے درمیان تطبیق کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ آیت قرآن کریم کی آیات مبارکہ کے درمیان حقیقی تعارض کی نفی کرتی ہے، کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا جو بڑا علیم و خبیر ہے۔

آیات متعارضہ کے متعلق امام شاطبیؒ کی رائے:

الموافقات میں امام شاطبیؒ[3] کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ"[4]

جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ نازل کردہ حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے ہے۔

یعنی باطل اس پر کسی طرح سے غالب نہیں آسکتا اور کوئی بھی تحقیق قرآن کی کسی بات کو غلط ثابت نہیں کر سکتی، اس کتاب نے جس چیز کو حق کہہ دیا وہ کبھی باطل ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ کتاب صراط مستقیم ہے، اس کے تمام اوامر و نواہی حق ہیں اور کسی بھی اختلاف کی صورت میں اس کی طرف رجوع کرنے سے مسئلہ کا حل معلوم کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ"[5]

اگر کسی بات میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں صریح طور پر نزاع اور اختلاف کی صورت میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے، پس اسی طرح اگر دو دلیلوں کے درمیان تناقض پایا جائے تو قرآن و سنت کی طرف رجوع کر کے تناقض رفع کیا جا سکتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

"إِنَّ الْقُرْآنَ لَمْ يَنْزِلْ يُكَذِّبُ بَعْضُهُ بَعْضًا، بَلْ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا، فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ، فَاعْمَلُوا بِهِ، وَمَا جَهِلْتُمْ مِنْهُ، فَرُدُّوهُ إِلَى عَالِمِهِ"[6]

قرآن کریم اس طرح نازل نہیں ہوا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تکذیب کرتا ہو، بلکہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، اس لئے تمہیں جتنی بات کا علم ہو اس پر عمل کر لو اور جو معلوم نہ ہو تو اسے اس کے عالم سے معلوم کر لو۔

اگر قرآنی آیات میں حقیقی تضاد ہو تا تو یہ ایک نا قابل برداشت ذمہ داری کا باعث بنتا۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ مکلف کو ایک ہی وقت میں کسی معین کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور فی نفسہٖ وقت میں منع کرتا ہے یعنی امر اور نہی کا ایک ہی وقت میں تقاضا کرتا ہے تو یہ تکلیف بمالا یطاق ہے ، اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی نسبت سے محال ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے خود فرمایا:

"لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا"[7]

اللہ تعالیٰ کسی پر بھی اس کی اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

آیات متعارضہ کے متعلق سید صالح نجار کی رائے:

ڈاکٹر سید صالح نجار "دراسات فی التعارض والترجیح عند الاصولیین" میں لکھتے ہیں:

"لان المفروض فی الادلة ثبوت نتائجها فی الخارج ،فلو امرالشارع بنص و نهی عنه بنص اٰخر ، لزم منه ان یکون الشیء الواحد حلالاو حراما،او واجبا و حراما،و هذا تناقض ،والتناقض باطل،فماادٰی الیه یکون هو الاخرباطلا"[8]

کیونکہ ثبوت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے نتائج کو خارج سے ثابت کیا جائے، لہذا اگر شارع نے ایک نص میں کوئی کام کرنے کا حکم دیا اور دوسری نص میں اسی کام سے منع کیا، اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایک چیز ایک ہی وقت میں حلال اور حرام ہو یا واجب اور حرام ہو، یہ تناقض ہے اور نصوص شرعیہ میں تناقض باطل ہے، اگر ایک پر عمل کریں گے تو دوسری باطل ہو جائے گی۔

آیات متعارضہ کے متعلق امام سرخسیؒ کی آراء:

اصول سرخسیؒ میں ہے:

"اعلم بان حجج الشرعيةمن الكتاب والسنة لايقع بينهما التعارض والتناقض وضعا لان ذالک من امارات العجز والله يتعالىٰ عن ان يوصف به وانما يقع التعارض لجهلنا بالتاريخ فانه يتعذر به علينا التمييز بين الناسخ والمنسوخ"[9]

دلائل شرعیہ یعنی قرآن وسنت میں حقیقی تعارض وتناقض واقع نہیں ہوتا کیونکہ یہ عاجزی کی علامات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ ان صفات سے منزہ اور پاک ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو یہ ہماری کوتاہ فہمی یا ناسخ ومنسوخ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

آیات متعارضہ کے متعلق ملاجیونؒ کی رائے:

نورالانوار شرح المنار میں ہے:

"وقد يقع التعارض بين الحجج فيما بينناالجهلنا بالناسخ والمنسوخ والافلاتعارضفى نفس الامر لان احدهما يكون منسوخاوالآخر ناسخاوكيف يقع التعارض فى كلامه تعالىٰ لان ذٰلک من امارات العجز تعالى الله عن ذٰلک علوا كبيرا"[10]

کبھی ہمارے اعتبار سے دلائل کے مابین تعارض واقع ہو جاتا ہے، جبکہ ہمیں ناسخ اور منسوخ کا علم نہ ہو، اس لئے کہ حقیقی تعارض تو محال ہے، البتہ ان دلائل کے بارے میں مجتہدین کے فہم وادراک میں تفاوت کی بناپر ظاہری تعارض ممکن ہے جسے دور کرنے اور متعارض دلائل میں سے کسی ایک کی ترجیح کیلئے علمائے اُصول نے کچھ اُصول وضوابط وضع کئے ہیں ان قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ مجتہد کو ناسخ ومنسوخ کا علم ہونا چاہیے یا الفاظ کی دلالت کی ترجیح کے طریقوں سے واقف ہونا چاہیے۔

لہٰذا جو شخص بھی قرآن کریم میں غوروخوض کرے گا تو قرآن مجید کے اس دعویٰ کی سچائی ثابت ہوتی جائے گی۔ کلام اللہ کا تعارض و اختلاف سے مبرا ہونا ایسی تسلیم شدہ حقیقت ہے جس کا کوئی بھی انصاف پسند منکر نہیں۔ قرآن مجید میں لغت وادب کے متنوع اسالیب اختیار کئے گئے ہیں اگر کوئی ان باریکیوں سے واقف نہ ہو یا قرآنی الفاظ کے حقیقی معانی تک واقفیت نہ رکھتا ہو یا نسخ کے علم پر عبور نہ رکھتا ہو تو ممکن ہے کہ بعض مقامات پر تعارض کی کیفیت طاری ہو سکتی ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اب ہم ظاہری تعارض کو امثلہ کے ذریعے واضح کریں گے اور اُن کے متعلق مفسرین کی آراء کا جائزہ لیں گے جس سے واضح ہو جائے گا کہ آیات کے درمیان ظاہری تعارض ہے حقیقی تضاد نہیں۔

تعارض نمبر1- ابلیس کی دعاء قبول یا عدم قبول کے متعلق مفسرین کی آراء:

"قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ"[11]

وہ کہنے لگا مجھ کو مہلت دیجیے قیامت کے دن تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی ہے۔

اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر کی دعاء بھی قبول ہوتی ہے ابلیس کافر ہے، لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی دعاء قبول نہیں ہوتی۔ سورۃ الرعد اور سورۃ مؤمن میں بھی اسی طرح ہے:

"وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ"[12]

اور کافروں کی دعاء محض بے اثر ہے۔

ابلیس کی دعاء قبول یاعدم قبول کے متعلق قاضی ثناء اللہؒ کی آراء:

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

"و فیه دلیل علیٰ ان اجابة الدعاءغیر مختص باهل الاسلام والطاعة"[13]

اور اس میں یہ دلیل ہے کہ دعاء کی قبولیت صرف اہل اسلام اور اطاعت گزاروں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

ابلیس کی دعاء قبول یاعدم قبول کے متعلق علامہ آلوسیؒ کی آراء:

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ[14] فرماتے ہیں:

"وأن الكافر قد يقع في الدنيا ما يدعو به ويطلبه من الله تعالى أثر دعائه كما يشهد بذلك آيات كثيرة"[15]

ظاہر یہی ہے کہ کافر کی دعاء قبول ہو سکتی ہے جیسا کہ ابلیس نے عمر طویل کی دعاء کی جو قبول ہو گئی۔

ابلیس کی دعاء قبول یاعدم قبول کے متعلق اشرف علی تھانویؒ کی آراء:

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

دنیا میں کافر کی دعاء قبول ہو سکتی ہے جیسا کہ ابلیس نے عمر طویل مانگی اور قبول ہو گئی۔[16]

تطبیق:

بعض مفسرین کے نزدیک شیطان کی دعاء قبول نہیں ہوئی۔ وہ جملہ "إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ"[17] کو خبر پر محمول کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تقدیری فیصلہ کی خبر دی ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

"قال بعض المحقیقین الجملةاخبار عن کونه من المنظرین فی قضاء اللہ تعالیٰ من غیر ترتب علیٰ دعائه"[18]

بعض محققین فرماتے ہیں کہ جملہ اللہ تعالیٰ کے تقدیری فیصلہ کی خبر ہے۔ یہ جملہ شیطان کی دعاء کی اجابت نہیں۔

اس تشریح کے ساتھ آیات کے مابین بالکل تضاد نہیں رہتا۔

جن مفسرین کے نزدیک کافر کی دعاء دنیا میں قبول ہوتی ہے تو وہ دفع تعارض میں فرماتے ہیں کہ کافر کی دعاء آخرت میں قبول نہیں ہوتی۔ مولانا تھانویؒ کی یہی تحقیق ہے۔ سورۃ المؤمنون میں تصریح ہے کہ کفار آخرت میں پکاریں گے لیکن ان کی یہ پکار بے اثر ہو گی۔ لیکن سورۃ الرعد میں جو ذکر ہے کہ کفار کی دعاء بے اثر ہے وہ دنیا میں ہے۔ کیونکہ گزشتہ آیات جو اس آیت کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پکار بے اثر ہے۔ کفار بتوں کو پکارتے ہیں وہ جواب نہیں دیتے اور پھر فرمایا کہ کفار کی دعاء محض بے اثر ہے۔

"وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ"[19]

عدم اجابت اگر بتوں کی طرف سے ہے تو پھر کوئی تعارض نہیں رہتا۔ کیونکہ کفار کی دعاء بے اثر چلی گئی اور کافر کی دعاء دنیا میں قبول نہ ہو گی۔ اگر عدم اجابت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو تعارض باقی رہتا ہے۔

ابلیس کی دعاء قبول ہونے یاعدم قبول کے متعلق امام نیشاپوریؒ کی رائے:

امام نیشاپوریؒ فرماتے ہیں:

ان کی دعاء قبول کیوں نہیں ہوتی۔ وجہ لکھتے ہیں "لایجیبھم لحقارة امرھم"[20] حقارۃ کفار کو جواب نہیں ملتا کیونکہ ان کی پکار غلط ہے۔ اس صورت میں "إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ"[21] سے تعارض رہے گا۔ کیونکہ مہلت دینے سے معلوم ہوا کہ دنیا میں

دعاء قبول کرتا ہے۔ اور "لَایَسْتَجِیبُونَ لَھُمْ" سے معلوم ہوا کہ اللہ ان کی پکار کو قبول نہیں کرتا۔ اس کا یا تو یہ جواب ہے کہ عدم اجابت بتوں کی طرف سے ہے۔

ابلیس کی دعاء قبول یا عدم قبول کے متعلق امام طبریؒ کی آراء:

ابو جعفر طبریؒ نے لکھا ہے:

"ای ھذا الذی یدعوا من دون اللہ ھذا الوثن و ھذا الحجر لایستجیب لہ بشیء ابدا"[22]

جو پتھر کے بت کو پکارتا ہے وہ بت اس کو کبھی بھی جواب نہ دے گا۔

اور اگر عدم اجابت اللہ رب العزت کی طرف سے ہو تو دفع تعارض کیلئے یہ توجیہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کافر کی دعاء قبول نہیں کرتا۔ بلکہ کبھی کبھار ایک آدھ کافر کی دعاء قبول کرتا ہے۔ وہ بھی بطور استدراج کے ہوتا ہے جس میں کافر کا فائدہ نہیں ہوتا اس لئے فرمایا کہ کافروں کی دعاء بے اثر ہے۔

تجزیہ:

ابلیس کی دعاء کی قبولیت یا عدمِ قبول کے مسئلہ میں مفسرین کے درمیان دو بنیادی رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک ابلیس کی دعاء قبول ہوئی اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بعض اوقات کافر کی دعاء بھی قبول ہو سکتی ہے، جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک ابلیس کی دعاء درحقیقت قبول نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ازلی فیصلہ کی خبر دی تھی۔

پہلے مؤقف کی تائید کرنے والے مفسرین میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی، علامہ آلوسی اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء کی قبولیت صرف مسلمانوں یا نیک لوگوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض اوقات غیر مسلم کی دعاء بھی قبول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح علامہ آلوسی بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ کافر کی دعاء دنیا میں کبھی کبھار قبول ہو سکتی ہے اور ابلیس کو قیامت تک مہلت ملنا اس کی واضح مثال ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی اسی رائے کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ دنیا میں کافر کی دعاء قبول ہو سکتی ہے، البتہ آخرت میں کفار کی دعاء قبول نہیں ہوگی۔ دوسری طرف بعض محقق مفسرین اس آیت کو دعاء کی قبولیت پر محمول نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک آیت "إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ" دراصل ابلیس کی دعاء کی قبولیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پہلے سے طے شدہ تقدیری فیصلہ کی خبر ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے بھی اس احتمال کو نقل کیا ہے کہ یہ جملہ محض خبر ہے اور اس کا تعلق ابلیس کی دعاء کی اجابت سے نہیں۔ اس تشریح کے مطابق ابلیس کو مہلت دینا اللہ کے ازلی فیصلہ کا اظہار ہے، نہ کہ دعاء کی قبولیت۔ اسی طرح سورۃ الرعد کی آیت "وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ" کے بارے میں بھی مفسرین کی مختلف توضیحات ملتی ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت میں دعاء کی عدمِ قبولیت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں بلکہ بتوں سے ہے، یعنی کفار جن معبودانِ باطلہ کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دیتے۔ اس معنی کی وضاحت امام طبریؒ نے بھی کی ہے کہ جو شخص اللہ کے سوا پتھر یا بت کو پکارتا ہے وہ کبھی اس کی دعاء قبول نہیں کرتے۔

امام نیشاپوریؒ کے نزدیک کفار کی دعاء قبول نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی پکار باطل اور گمراہ کن ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی دعاء کو شرفِ قبولیت نہیں دیتا۔ تاہم اس صورت میں ابلیس کے واقعہ سے بظاہر تعارض پیدا ہوتا ہے، جسے بعض مفسرین اس طرح حل کرتے ہیں کہ کافر کی ہر دعاء قبول نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھار بطورِ استدراج قبول ہو جاتی ہے۔ اس تقابلی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مفسرین نے آیات کے درمیان ظاہری تعارض کو مختلف طریقوں سے حل کیا ہے۔ بعض نے ابلیس کی دعاء کو قبول شدہ قرار دے کر یہ اصول بیان کیا کہ دنیا میں کافر کی دعاء کبھی قبول ہو سکتی ہے، جبکہ بعض نے اسے محض تقدیری خبر قرار دے کر دعاء کی قبولیت سے خارج کر دیا۔ اس طرح مختلف تفسیری آراء کے باوجود قرآن کی آیات کے درمیان حقیقی تعارض باقی نہیں رہتا۔

تعارض نمبر2-اللہ تعالیٰ کا بندوں کو فسق کا حکم دینے میں مفسرین کی آراء:

"قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ"[23]

اے پیغمبر ان سے کہہ دیجیے اللہ تعالیٰ بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دیتا۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گناہ کا حکم نہیں دیتا۔ لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فسق کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا"[24]

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں پر شرارت مچاتے ہیں۔ ان آیات بینات میں بظاہر تعارض کا شبہ ہوتا ہے۔

امام رازیؒ کی آراء:

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

"والحق ما ذکر الکل و هو ان المعنى امرناهم بالاعمال الصالحةوهى الايمان و الطاعة والقوم خالفوا ذٰلک عنادا واقدمواعلى الفسق۔"[25]

صحیح بات وہی ہے جو تمام نے ذکر کی ہے کہ ان کو اعمال صالحہ یعنی ایمان اور اطاعت کا حکم ملا تھا لیکن انہوں نے عناد کی وجہ سے مخالفت کر کے فسق کا اقدام کیا۔

امام جلال الدین سیوطیؒ کی آراء:

جلالین میں امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"بالطاعة علىٰ لسان رسلنا"[26]

لوگوں کو انبیاء کے ذریعے اپنی اطاعت کا حکم دیا تھا۔

اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کیونکہ اس سے اگلی آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان کے پاس رسول نہ بھیجوں تو رسول کا کام ہی لوگوں کو ایمان اور اطاعت کی طرف بلانا ہے۔

علامہ زمخشریؒ کی آراء:

اگر اللہ تعالیٰ نے فسق کا حکم دیا تھا تو اس کے بارے میں علامہ زمخشریؒ یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ان کو حقیقتاً فسق کا امر نہیں کیا گیا ورنہ ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوتا "افسقوا ثم فسق "امر کا اطلاق یہاں مجازا ہے۔ مجاز کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعامات کئے ان کے غلط استعمال کی وجہ سے وہ فسق کا ذریعہ بن گئے۔ اسی سبب کے درجے میں یوں لگتا ہے گویا وہ فسق پر مامور تھے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں:

"ووجه المجاز انه صب عليهم النعمةصبا فجعلوها ذريعة الى المعاصى و اتباع الشهوات فكانهمامورون بذلک التسبب ايلاالنعمة فيه"[27]

علامہ زمخشری نے دوسری توجیہ بھی کی ہے "وقد فسر بعضهم امرنا بکثرنا"ہم نے خوش عیش لوگوں کی تعداد بڑھادی۔

امام فراء معانی القران میں لکھتے ہیں: "امرنا بالمداکثرنا(امرنا"مد) کے ساتھ کثرت کے معنی میں ہے۔ فرماتے ہیں:

"امرنا مترفیھاوھو موافق لتفسیرابن عباس و ذلک انه قال سلطنا رؤساءھاففسقوا فیھا"[28]

امر ناشد کے ساتھ ہے یعنی امیر مقرر کرنا ہم نے قوم پر بڑے بڑے سردار مسلط کر دیئے۔ انہوں نے شہر میں فسق شروع کیا۔

اور تجربہ سے یہ چیز ثابت ہے کہ مال فتنہ ہے اور حدیث میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے۔ جہاں کہیں بھی عیش پرست لوگوں کے ہاتھوں میں اقتدار آتا ہے تو اللہ اور رسول سے بغاوت شروع کر دیتے ہیں۔ فسق کے اصل بانی یہ رؤساء ہوتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: "اکثرنا عددھم" ہم ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں۔

قاضی بیضاوی[29] فرماتے ہیں:

خوش عیش لوگوں کا قوم اتباع شروع کر دیتی ہے اور نشہ دولت اور اقتدار کی وجہ سے حماقت پر اتر آتے ہیں۔[30]

اس کا لازمی نتیجہ ہر طرف فسق و فجور ہوتا ہے۔

امام ابن کثیرؒ کی آراء:

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں ان کو فسق کا حکم تشریعی نہیں دیا گیا بلکہ تکوینی امر ہے "معناه امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا امراءقدریا" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

"أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا"[31]

دن میں یا رات میں ان پر ہمارا امر آیا۔

آگے لکھتے ہیں:

"معناه انه سخرھم الی فعل الفواحش فاستحقواالعذاب"[32]

ان کیلئے فحش افعال مسخر ہوگئے۔ جس کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوگئے۔

اس تکوینی امر کی قرآن مجید میں کئی مثالیں ملتی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا"[33]

سو جب ہمارا حکم آپہنچا ہم نے صالح کو نجات دی۔

"فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا"[34]

سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا۔

ان آیات مبارکہ میں تکوینی امر کا ذکر ہے اسی طرح "أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا" میں تکوینی امر ہے۔ ان کو تشریعی طور پر نہیں کہا کہ فسق کرو، فسق تو انہوں نے خود کیا لیکن ارتکاب فسق کے بعد اس پر ایجاداً اور تخلیقاً امر کا اطلاق صحیح ہے۔

تجزیہ:

ان آیات میں بظاہر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف قرآن میں فرمایا گیا ہے "إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ" یعنی اللہ تعالیٰ بے حیائی یا گناہ کا حکم نہیں دیتا، جبکہ دوسری طرف ارشاد ہے "وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا" جس سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بستی کے خوش حال لوگوں کو فسق کا حکم دیا۔ اس ظاہری تعارض کو دور کرنے کے لیے مفسرین نے مختلف توضیحات پیش کی ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ کے نزدیک اس آیت میں فسق کا حکم مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ایمان اور اعمالِ صالحہ کا حکم دیا تھا، مگر انہوں نے عناد اور سرکشی کی وجہ سے اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے فسق اختیار کیا، اس لیے فسق ان کے اپنے عمل کا نتیجہ تھا نہ کہ اللہ کے حکم کا۔ اسی مفہوم کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے بھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے لوگوں کو اطاعت اور نیکی کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے اس سے روگردانی کی۔ بعض مفسرین جیسے علامہ زمخشری نے اس آیت میں "امر" کو حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں لیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر نعمتوں کی کثرت فرمائی، مگر انہوں نے ان نعمتوں کو معصیت اور خواہشات کی پیروی کا ذریعہ بنالیا، اس لیے مجازاً ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ فسق کے لیے مامور تھے۔ اسی طرح بعض مفسرین نے "أَمَرْنَا" کے معنی کثرت یا اقتدار دینے کے بیان کیے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے مترفین (خوش حال اور بااثر لوگوں) کو اقتدار یا تعداد میں اضافہ دیا، جس کے نتیجے میں وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ حافظ ابن کثیر نے اس مسئلہ کی ایک اور توجیہ بیان کی ہے کہ یہاں امر تشریعی نہیں بلکہ امرِ تکوینی مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں فسق کا شرعی حکم نہیں دیا بلکہ تقدیری طور پر ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن کے نتیجے میں وہ فسق کے مرتکب ہوئے اور یوں عذاب کے مستحق بن گئے۔ بعض روایات میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں میں بدکار اور ظالم لوگوں کو اقتدار دے دیا یا ان کی تعداد بڑھا دی، جس کے نتیجے میں معاشرے میں فسق پھیل گیا اور پھر عذاب نازل ہوا۔ اس تقابلی جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ مفسرین نے اس ظاہری تعارض کو مختلف طریقوں سے حل کیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہاں اطاعت کا حکم تھا جس کی مخالفت کی گئی، بعض نے اسے مجازی تعبیر قرار دیا، بعض نے لفظ امر کے معنی کثرت یا تسلط کے لیے لئے، جبکہ بعض کے نزدیک یہ امر تکوینی ہے۔ ان تمام تفسیری آراء کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں کوئی حقیقی تعارض نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو فحاشی اور گناہ کا حکم نہیں دیتا بلکہ فسق دراصل بندوں کی اپنی نافرمانی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

تعارض نمبر 3– اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خوف یا اطمینان کے متعلق مفسرین کی آراء:

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ"[35]

پس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر اللہ کے وقت دل گھبرا جاتے ہیں اور انسان خوف و دہشت کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل اطمینان پاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

"أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ"[36]

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے کہ پہلی آیت مبارکہ میں ارشاد خداوندی ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ خوف اور اطمینان میں تضاد پایا جاتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ کی آراء:

تفسیر الکشاف میں علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں:

"فزعت لذكره استعظاماله و تهيبامن جلاله و عزة سلطانه و بطشه بالعصاةعقابه و هذاالذكرخلاف الذكر فى قوله ثم تلين جلودهم و قلوبهم الى ذكرالله لان ذلك الذكر رحمة و رافةوثوابه"[37]

ذکر کی دو قسمیں ہیں، دل کا گھبر انا اللہ کی عظمت جبروت اور ہیبت کی وجہ سے۔ اور ایک ذکر رحمت اور ثواب والا ہے۔ جس سے دل موم ہو جاتے ہیں۔

امام بیضاویؒ کی آراء:

تفسیر بیضاوی میں علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں:

"وقیل هو الرجل یهم بمعصیة فیقال له اتق الله فیفزع عنه خوفا عقابه"[38]

اس ذکر سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی آدمی گناہ کا ارادہ کرلے اور اس کو کوئی کہہ دے کہ اللہ سے ڈر تو وہ آدمی اللہ کے عقاب سے گھبرا جاتا ہے۔ اور جو ذکر زبان سے کیا جائے وہ باعث اطمینان ہے۔

امام آلوسیؒ کی آراء:

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

"والاطمینان المذکور فی قوله سبحانه و تعالیٰ "الا بذکر الله تطمئن القلوب" لا ینافی الوجل والخوف لانه عبارة عن ثلج الفؤاد شرح الصدور بنورالمعرفة والتوحید وهو یجامع الخوف"[39]

دل کا ذکر سے مطمئن ہونا خوف کے منافی نہیں کیونکہ اطمینان کا معنی اللہ کی معرفت اور توحید کے ساتھ دلی سرور اور شرح صدر مراد ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ دل میں اللہ کا خوف بھی ہو اور شرح صدر اور دلی اطمینان بھی ہو۔

امام قرطبی کی رائے:

تفسیر قرطبی میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"ای تسکن فی نفوسهم من حیث الیقین الیٰ الله وان کانوا یخافون الله"[40]

دل میں اللہ کی ذات کا یقین اور اس کا خوف جمع ہو سکتے ہیں۔

جس شخص کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین ہو اور اللہ کی صفات کا کچھ نہ کچھ علم رکھتا ہو اس کے سامنے جب اللہ کی عظمت جبروت بیان کی جائے اس کی جباریت اور قہاریت کا تذکرہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ دل اس کے خوف سے کانپ اٹھتا ہے اور کبھی اللہ کے نام کا ورد کرتا ہے یا اس کے اسماء جمالیہ کا تذکرہ سنتا ہے تو دل میں انتہائی سرور اور چین محسوس کرتا ہے، گویا یہ مختلف کیفیتیں ہیں جو ذکر اللہ کے وقت انسان پر طاری ہوتی ہیں۔ بعض اوقات دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات سرور اور چین ہوتا ہے اور عام طور پر مطمئن رہتا ہے۔

تجزیہ:

قرآن مجید کی بعض آیات میں بظاہر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت دلوں کی کیفیت خوف کی ہوتی ہے یا اطمینان کی۔ ایک طرف ارشاد باری تعالیٰ ہے "یعنی حقیقی مؤمن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں"، جس سے اللہ کی عظمت اور اس کے عذاب کے خوف کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ دوسری طرف قرآن مجید میں فرمایا گیا یعنی "خبردار! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے" ان دونوں آیات کے ظاہر میں خوف اور اطمینان کے درمیان تضاد محسوس ہوتا ہے، اسی لیے مفسرین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ علامہ زمخشریؒ کے نزدیک ذکرِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال، قدرت اور عذاب کا تصور غالب ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں دلوں میں خوف اور ہیبت پیدا ہوتی ہے اور یہی کیفیت آیت "وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ" میں بیان ہوئی ہے۔ دوسری قسم وہ ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت، مغفرت اور ثواب کا تصور ہوتا ہے، جس سے دلوں میں نرمی اور اطمینان پیدا ہوتا ہے اور یہی مفہوم آیت

"أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ" میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح دونوں آیات مختلف کیفیاتِ ذکر کو بیان کرتی ہیں اور ان میں کوئی حقیقی تعارض نہیں رہتا۔

امام بیضاویؒ اس آیت کی ایک عملی توجیہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اسے اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی جاتی ہے تو اللہ کے عذاب کے خوف سے اس کا دل گھبرا جاتا ہے اور وہ گناہ سے رک جاتا ہے۔ اس کے برعکس جب انسان زبان اور دل سے اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ علامہ آلوسی کے نزدیک بھی خوف اور اطمینان میں حقیقی تضاد نہیں ہے، کیونکہ اطمینان سے مراد اللہ کی معرفت، توحید اور یقین کی وجہ سے دل کا سکون اور شرح صدر ہے اور یہ کیفیت اللہ کے خوف کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ یعنی مؤمن کے دل میں اللہ کی عظمت کا خوف بھی ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کی رحمت اور قرب کا اطمینان بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح امام قرطبی بیان کرتے ہیں کہ اہلِ ایمان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یقین اور اعتماد کی وجہ سے سکون پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ اللہ کا خوف بھی باقی رہتا ہے۔ اس طرح یقین، خوف اور اطمینان ایک ہی دل میں جمع ہو سکتے ہیں۔ اس تقابلی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مفسرین کے نزدیک ان آیات کے درمیان کوئی حقیقی تعارض نہیں ہے، بلکہ دونوں آیات مؤمن کے دل کی مختلف روحانی کیفیات کو بیان کرتی ہیں۔ اللہ کی عظمت اور عذاب کے تصور سے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کی رحمت، معرفت اور قرب کے احساس سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور یہی دونوں کیفیات ایمان کی تکمیل کا حصہ ہیں۔

قرآن کریم کا خاصہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں بلکہ اس میں اختلاف کا نہ ہونا کلام اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن عظیم کو اپنے وسیع اور لامحدود علم کے مطابق اتارا۔ انسان بنیادی طور پر جاہل ہے جتنا علم بھی حاصل کرلے باوجود اس کے اس کا جہل اس پر حاوی ہوتا ہے۔ علم کے حصول کے ساتھ اس کے جہل میں کمی آتی رہتی ہے لیکن اس کا علم اس کے جہل سے بڑھتا نہیں۔ اس لئے انسان کے علم میں بے شمار اختلافات، تضادات، اور تناقضات پائے جاتے ہیں۔ قرآن کی آیات میں جو بظاہر تعارض نظر آتا ہے وہ انسان کے اس ذاتی وصف جہالت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اختلافات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت تو اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

قرآن مجید کی آیات میں ظاہری تعارض دراصل انسان کے ناقص علم کا تعارض ہے، جس کا محل کلام الٰہی نہیں بلکہ اسکا جھول انسان کا ذہن ہے۔ جن آیات میں ایک مفسر تطبیق پیدا کرتا ہے اس کا محل بھی خود اسکا ذہن ہے کہ پہلے تعارض آیا پھر اس کے ذہن میں تطبیق آگئی۔ گویا تھوڑی دیر پہلے ذہن میں آیات کے بارے میں جو جہل کی تاریکی تھی اس کی جگہ علم کی روشنی نے لے لی اور کلام الٰہی کے بارے میں ذہن صاف ہو گیا۔ جن حضرات کا علم و تقویٰ وسیع ہو ان کو آیات میں تعارض محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہر نص اپنے محل اور محمل پر چسپاں نظر آتی ہے۔ بڑے بڑے مفسرین جو اپنی تفاسیر میں تطبیق بیان کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے بعد میں آنے والوں کے اذہان میں تعارض پیدا ہو اور ناقص علم کی وجہ سے تطبیق کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو مشکل میں پھنس جائیں گے اس لئے مفسرین اُمت نے یہ خدمت بدرجہ اتم کی ہے۔ ان کی تفاسیر دیکھنے سے یہ بات بالکل عیاں ہے۔

نتیجۃ البحث:

اس تحقیق میں قرآن مجید کی تین ایسی آیات کا مطالعہ کیا گیا جن میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے، اور مفسرین کی آراء کی روشنی میں ان کی تطبیق پیش کی گئی۔ پہلے تعارض میں ابلیس کی دعاء کی قبولیت اور کافروں کی دعاء کے عدمِ قبول کے مسئلہ کا جائزہ لیا گیا۔ مفسرین کی آراء سے یہ واضح ہوا کہ بعض کے نزدیک ابلیس کی دعاء دنیاوی طور پر قبول ہوئی، جبکہ بعض نے اسے دعاء کی قبولیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے تقدیری فیصلے کی خبر

قرار دیا۔ اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ کافر کی دعاء ہر حال میں قبول نہیں ہوتی، بلکہ کبھی دنیا میں کسی حکمت کے تحت یا بطورِ استدراج قبول ہو سکتی ہے، جبکہ آخرت میں کفار کی دعاء قبول نہیں ہو گی۔

دوسرے تعارض میں اس مسئلہ کا جائزہ لیا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو فسق کا حکم دیتا ہے یا نہیں۔ مفسرین نے اس آیت "أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا" کی مختلف توجیہات بیان کیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں فسق کا حکم مراد نہیں بلکہ اطاعت اور ایمان کا حکم تھا جس کی انہوں نے مخالفت کی۔ بعض مفسرین نے اس میں مجاز کا پہلو بیان کیا، جبکہ بعض نے اسے امر تکوینی قرار دیا۔ اس تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ بندوں کو گناہ کا حکم نہیں دیتا بلکہ فسق دراصل بندوں کی اپنی سرکشی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

تیسرے تعارض میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت دلوں کی کیفیت کا مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ آیا ذکرِ الٰہی سے دل خوف زدہ ہوتے ہیں یا مطمئن۔ مفسرین کی آراء کے مطابق یہ دونوں کیفیات ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ مؤمن کے دل کی مختلف روحانی حالتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور عذاب کے تصور سے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے، جبکہ اس کی رحمت، معرفت اور قرب کے احساس سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ان تینوں مثالوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید میں حقیقی تعارض موجود نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات سیاق وسباق، الفاظ کے مختلف معانی، امرِ تشریعی وتکوینی کی تفریق، یا حالات کے اختلاف کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ظاہری تعارض کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مفسرین نے اپنے علمی مناہج اور تفسیری اصولوں کی روشنی میں ان اشکالات کو واضح کیا اور یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید اپنی اصل حقیقت میں ہر قسم کے تناقض اور تضاد سے پاک ہے۔ اس طرح آیاتِ متعارضہ کا تحقیقی مطالعہ نہ صرف قرآن مجید کے معانی کو زیادہ واضح کرتا ہے بلکہ اس کے اعجازِ بیانی اور فکری ہم آہنگی کو بھی نمایاں کرتا ہے۔

حوالہ جات

1 سورۃ النساء 82:04-

2 الزرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بہادر، **البرهان فی علوم القرآن**، (بیروت: دار احیاء کتب العربیہ، 1367ھ)، 45/2-

3 ابو محمد القاسم بن فیرّہ بن خلف بن أحمد الرعینی الشاطبی، 538ھ اندلس کے شہر شاطبہ میں پیدا ہوئے، انہوں نے اندلس سے مصر کا سفر کیا جہاں انہوں نے قرآن کی قراءت، تفسیر، حدیث اور بلاغت وغیرہ علوم کی تعلیم حاصل کی اور وہاں مشہور عالم بنے، اُنہوں نے حرزالمعانی ووجه التہانی تصنیف کی جو متن الشاطبیہ سے مشہور ہے۔ اُنہوں نے 590ھ مصر میں وفات پائی۔ اعلام للزرکلی، 180/5-

4 سورہ فصلت 42:41-

5 سورۃ النساء 59:04-

6 احمد بن حنبل، **مسند احمد بن حنبل**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1421ھ)، فی مسند عبد اللہ بن عمر بن عاص، رقم الحدیث: 6702-

7 سورۃ البقرہ 286:02-

8 ڈاکٹر سید صالح نجار، **دراسات فی التعارض والترجیح عند الاصولیین**، (قاہرہ: دار الطباعۃ المحمدیہ، 1402ھ)، 193/1-

9 محمد بن احمد بن ابی سہل ابو بکر السرخسی، **اصول السرخسی**، (بیروت: دارالمعرفۃ، 1985م)، 12/2-

10 شیخ احمد بن ابی سعید بن عبید اللہ ملاجیون، **نور الانوار فی شرح المنار**، (پاکستان: مکتبہ اسلامیہ پشاور، سن ندارد)، ص 193-

11 سورۃ الاعراف 15:07-

12 سورۃ الرعد 14:13-

13 قاضی ثناء اللہ پانی پتی، **تفسیر المظہری**، (بیروت: دارالمعرفۃ، 1985م)، 334/3-

14 محمود شہاب الدین أبو الثناء الحُسَیْنِي الآلوسي، 1217ھ بمطابق 1802ء بغداد میں پیدا ہوئے، آپ کی مشہور تصانیف روح المعانی في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، نشوة الشمول في السفر إلى إسطنبول، نشوة المدام في العود إلى دار السلام، غرائب الاغتراب، دقائق التفسیر وغیرہ ہیں۔ آپ نے 1270ھ بغداد میں وفات پائی۔ اعلام للزرکلی، 176/7-

15 شہاب الدین محمود بن عبداللہ آلوسی، **تفسیر روح المعانی**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، 1415ھ)، 332/4-

16 اشرف علی تھانویؒ، **بیان القرآن**، (کراچی، مکتبہ غزنوی، 1414ھ)، 43/10-

17 سورۃ الاعراف، 15:07-

18 شہاب الدین محمود بن عبداللہ آلوسی، **تفسیر روح المعانی**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، 1415ھ)، 333/4-

19 سورۃ الرعد 14:13-

20 نظام الدین نیشاپوری، **غرائب القرآن و رغائب الفرقان**، (بیروت: المکتبۃ الکتب الاسلامیۃ، 2001ء)، 139/4-

21 سورۃ الاعراف 15:07-

22 طبری، **تفسیر طبری**، 87/13-

23 سورۃ الاعراف 28:07-

24 سورۃ الاسراء 16:17-

25 الرازی، فخر الدین بن عمر، **مفاتیح الغیب**، (بیروت: دار الکتب العربیۃ، 1998ء، طبع الثالث)، 175/20-

26 جلال الدین سیوطی، **تفسیر جلالین**، (بیروت: دار الکتب، 1999ء)، ص 231-

27 ابو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل**، (بیروت: دار الکتاب العربي، 1407ھ)، 654/2-

28 ابوزکریا یحییٰ بن زیاد بن عبد اللہ بن منظور الدیلمی، **معانی القرآن**،(مصر: دار المصریۃ للتالیف والترجمہ، 2001ء)، 119/2-

29 ابوسعید عبد اللہ بن عمر بن محمد بن علي أبو الخیر البیضاوي، آپ کے والد "إمام الدین"، جو فارس صوبہ میں قاضی القضاۃ تھے۔ خاندان علم وعدالت سے تعلق رکھتا تھا۔ تقریباً سال 678ھ(1279 عیسوی) کو المنصور ایلخان" آباقاخان" نے انہیں فارس کے "قاضی الممالک" مقرر کیا۔ بعد ازاں شہر شیراز اور تبریز میں بھی ان کے علمی مقام ومنصب رہے، آپ کی مشہور تصانیف أنوار التنزیل وأسرار التأویل، منہج الأصول إلی علم الأصول، توَلّع الأنوار من مطالب الانزار وغیرہ ہیں، آپ نے 685ھ بمطابق 1287ء تبریز میں وفات پائی، اعلام للزرکلی، 110/4-

30 البیضاوي، ناصر الدین عبد اللہ بن عمر، **تفسیر بیضاوی**، 459/1-

31 سورہ یونس 24:10-

32 عماد الدین ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،(بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2000ء)، 295/4-

33 سورہ ھود 66:11-

34 ایضاً: 82-

35 سورہ انفال 02:08-

36 سورہ رعد 28:13-

37 زمخشری، **الکشاف**، 196/2-

38 البیضاوي، ناصر الدین عبد اللہ بن عمر، **أنوار التنزیل وأسرار التأویل**،(بیروت: دار إحیاء التراث العربي)، 309/1-

39 شہاب الدین محمود بن عبد اللہ آلوسی، **تفسیر روح المعانی**،(بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، 1415ھ)، 165/9-

40 محمد بن احمد الانصاری القرطبی، **الجامع الاحکام القرآن**،(القاہرۃ: دار الکتب المصریۃ 1384ھ، طبع الثانی)، 366/7-